بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورة الانفال

(۷)

(گذشتہ سے پیوستہ)

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

وَلَا يَحۡسَبَنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا سَبَقُوۡا اِنَّهُمۡ لَا يُعۡجِزُوۡنَ ﴿۵۹﴾ وَاَعِدُّوۡا لَهُمۡ مَّا
اسۡتَطَعۡتُمۡ مِّنۡ قُوَّةٍ وَّمِنۡ رِّبَاطِ الۡخَيۡلِ تُرۡهِبُوۡنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمۡ وَاٰخَرِيۡنَ

یہ منکرین اِس غلط فہمی میں نہ رہیں کہ نکل بھاگیں گے، یہ ہرگز ہمارے قابو سے باہر نہیں جا سکتے۔[100] تم
سے جس قدر ہو سکے اِن کے لیے فوج[101] اور بندھے ہوئے گھوڑے[102] تیار رکھو جس سے اللہ کے دشمنوں پر

۱۰۰؎ اصل الفاظ ہیں: 'اِنَّهُمۡ لَا يُعۡجِزُوۡنَ'۔ یہ اُسی مفہوم میں ہے جس میں 'اعجزه الصيد' کا جملہ بولا جاتا ہے، یعنی 'فاته ولم يقدر عليه'۔

۱۰۱؎ اصل میں لفظ قوت آیا ہے۔ قرآن کے دوسرے مقامات سے واضح ہوتا ہے کہ یہ عددی قوت کے لیے بھی آتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اب تمھارے پاس مجاہدین کی ایک منظّم فوج ہر وقت تیار رہنی چاہیے تاکہ بوقت ضرورت اِن منکرین حق کے خلاف کارروائی کی جا سکے۔ یہ نہ ہو کہ جب کسی جنگی مہم کی صورت پیش آئے تو رضا کاروں کو اکٹھا کرنا شروع کر دو۔ اپنی استطاعت کے مطابق یہ فوجی قوت اب تمھیں تیار رکھنی چاہیے اور زیادہ سے زیادہ بڑھا لینی چاہیے۔

۱۰۲؎ یعنی وہ گھوڑے جنھیں تربیت دے کر خاص اِسی مقصد کے لیے تیار رکھا گیا ہو۔ یہ اِس لیے فرمایا ہے کہ اُس

مِنۡ دُوۡنِهِمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَهُمۡ اَللّٰهُ يَعۡلَمُهُمۡ وَمَا تُنۡفِقُوۡا مِنۡ شَیۡءٍ فِیۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيۡكُمۡ وَاَنۡتُمۡ لَا تُظۡلَمُوۡنَ ﴿۶۰﴾

وَاِنۡ جَنَحُوۡا لِلسَّلۡمِ فَاجۡنَحۡ لَهَا وَ تَوَكَّلۡ عَلَى اللّٰهِ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيۡعُ الۡعَلِيۡمُ ﴿۶۱﴾

اور تمھارے اِن دشمنوں پر تمھاری ہیبت رہے اور اِن کے علاوہ دوسروں پر بھی جنھیں تم نہیں جانتے ہو، اللہ اُنھیں جانتا ہے[۱۰۳]۔ (اِس مقصد کے لیے) جو کچھ تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے، وہ تمھیں پورا کر دیا جائے گا[۱۰۴] اور تمھارے لیے کوئی کمی نہ ہوگی۔ ۵۹-۶۰

یہ لوگ اگر صلح کی طرف جھکیں تو تم بھی اِس کے لیے جھک جاؤ[۱۰۵] اور اللہ پر بھروسا رکھو۔ بے شک، وہ

زمانے کی جنگ میں گھوڑوں کو وہی اہمیت حاصل تھی جو اِس زمانے میں ٹینکوں اور ہوائی جہازوں کو حاصل ہے۔

۱۰۳؎ یہ اُن قوتوں کی طرف اشارہ ہے جو ابھی سامنے نہیں آئی تھیں، لیکن اللہ کو معلوم تھا کہ جلد یا بدیر کسی نہ کسی صورت میں سامنے آ جائیں گی۔ مثلاً یہود اور منافقین، نیز وہ قبائل جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر جانب داری کے معاہدے کر رکھے تھے، پھر رومی، غسانی اور ایرانی۔ یہ بھی متنبہ ہو چکے تھے اور سرزمین عرب میں جو کچھ ہو رہا تھا، اُسے تشویش کی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

۱۰۴؎ یعنی اُسی اصول کے مطابق پورا کر دیا جائے گا جو نیکیوں کے اجر کے لیے اللہ تعالیٰ نے مقرر کر رکھا ہے۔

۱۰۵؎ سورۂ توبہ میں منکرین حق کے استیصال کا آخری حکم آنے سے پہلے یہی ہدایت تھی کہ قریش اگر جنگ کرنا چاہیں تو اُن کے ساتھ جنگ اُس وقت تک جاری رکھی جائے، جب تک سرزمین عرب میں دین سب اللہ کے لیے نہ ہو جائے، لیکن وہ صلح کے خواہاں ہوں تو اُن سے صلح کر لی جائے تاکہ یہی مقصد امن کے ماحول میں اور دعوت و تبلیغ کے ذریعے سے حاصل کیا جا سکے۔ صلح حدیبیہ کا معاہدہ اِسی ہدایت کے تحت کیا گیا تھا۔ قریش جب اِس معاہدے پر قائم نہیں رہے تو اِس کے بعد، البتہ حکم دے دیا گیا کہ اب اِن سے ایمان کے سوا کوئی چیز قبول نہیں کی جائے گی۔ یہ ہدایات اگرچہ خاص اُن لوگوں کے لیے تھیں جن پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے سے اتمام حجت کیا گیا تھا، لیکن اِن سے یہ رہنمائی بعد کے زمانوں کے لیے بھی یقیناً حاصل ہوتی ہے کہ جنگ کا مقصد اگر صلح سے حاصل ہو سکتا ہو تو صلح کو ترجیح دینی چاہیے اور محض اِس اندیشے سے صلح کی پیش کش ٹھکرانی نہیں چاہیے کہ دشمن نیک نیتی سے صلح نہیں

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

وَاِنۡ يُّرِيۡدُوۡۤا اَنۡ يَّخۡدَعُوۡكَ فَاِنَّ حَسۡبَكَ اللّٰهُ هُوَالَّذِىۡۤ اَيَّدَكَ بِنَصۡرِهٖ وَبِالۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿٦٢﴾
وَاَلَّفَ بَيۡنَ قُلُوۡبِهِمۡ لَوۡ اَنۡفَقۡتَ مَا فِى الۡاَرۡضِ جَمِيۡعًا مَّاۤ اَلَّفۡتَ بَيۡنَ قُلُوۡبِهِمۡ وَلٰـكِنَّ
اللّٰهَ اَلَّفَ بَيۡنَهُمۡ اِنَّهٗ عَزِيۡزٌ حَكِيۡمٌ ﴿٦٣﴾

سننے والا، جاننے والا ہے۔ (تم مطمئن رہو)، اگر وہ تم کو دھوکا دینا چاہیں گے تو اللہ تمھارے لیے کافی ہے۔[106] وہی ہے جس نے اپنی مدد سے اور مومنوں کے ذریعے سے تمھاری تائید کی اور مومنوں کے دل ایک دوسرے کے ساتھ جوڑ دیے۔ اگر تم زمین میں جو کچھ ہے، سب خرچ کر ڈالتے، تب بھی اُن کے دلوں کو نہیں جوڑ سکتے تھے، مگر اللہ نے اُنھیں جوڑ دیا۔[107] یقیناً اللہ زبردست ہے، بڑی حکمت والا ہے۔ ۶۱-۶۳

کرنا چاہتا، بلکہ غداری کا ارادہ رکھتا ہے۔

۱۰۶؎ اِس اجمال میں جو کچھ مضمر ہے، قلم اُس کی تعبیر سے قاصر ہے۔

۱۰۷؎ اوپر فرمایا ہے کہ اللہ نے مومنوں کے ذریعے سے تمھاری تائید کی۔ یہ اُس کی وضاحت ہے کہ یہ کوئی معمولی بات نہیں تھی، بلکہ خاص تائید الٰہی کا کرشمہ تھا۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

> ''...کسی شیطانی مقصد کے لیے کسی بھیڑ کا اکٹھا کر لینا تو مشکل نہیں ہوتا، ہر نعرہ باز یہ کام کر سکتا ہے، لیکن خاص اللہ کے کام کے لیے جس میں خدا کی خوشنودی اور آخرت کی طلب کے سوا کسی بھی دوسری چیز کا کوئی ادنیٰ شائبہ نہ ہو، کلمۂ حق کے جاں نثاروں کی ایک جمعیت کا فراہم ہو جانا بغیر اِس کے ممکن نہیں ہوا کہ اللہ نے تائید کی اور اُس کی توفیق بخشی نے رہنمائی فرمائی۔ جو لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جمع ہوئے تھے، اپنی یہ نئی زندگی اختیار کرنے سے پہلے، دور جاہلیت کی تمام برائیوں میں آلودہ تھے، اُن کے قبیلے جدا جدا تھے اور اُن میں شدید قسم کے تعصّبات تھے، اُن کے دیوتا الگ الگ تھے اور یہ آنکھیں بند کر کے اُن کی پرستش کرتے تھے۔ اُن کے مفادات باہم متصادم تھے اور یہ اُن کے حاصل کرنے کے لیے جائز و ناجائز اور عدل و ظلم کے تمام حدود و قیود سے آزاد تھے۔ اِس طرح کے لوگوں کو اُن کے تمام تعصّبات و مفادات اور تمام رسوم و عادات سے چھڑا کر بالکل ایک نئے سانچے میں ڈھال دینا اور اُس سانچے کو اُن کی نگاہوں میں اتنا محبوب بنا دینا کہ اُس کی خاطر وہ قوم، وطن، خاندان، جائداد اور بیوی بچے، سب کو چھوڑ کر اٹھ کھڑے ہوں، یہ خدا ہی کے لیے ممکن ہے۔ کوئی انسان یہ کام نہیں انجام دے سکتا، اگرچہ وہ دنیا جہان کے سارے وسائل اُس پر صرف کر ڈالے۔'' (تدبر قرآن ۳/ ۵۰۵)

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٦٤﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿٦٥﴾

اے پیغمبر، تمھارے لیے اللہ کافی ہے اور یہی مومنین کافی ہیں جنھوں نے تمھاری پیروی اختیار کر لی ہے۔[108] اے پیغمبر، اِن مومنوں کو (اُس) جنگ پر ابھارو (جس کا حکم پیچھے دیا گیا ہے)۔ اگر تمھارے بیس آدمی ثابت قدم ہوں گے تو دو سو پر غالب آئیں گے اور اگر تمھارے سو ہوں گے تو ہزار منکروں پر بھاری رہیں گے، اِس لیے کہ یہ ایسے لوگ ہیں جو بصیرت نہیں رکھتے۔[109] ۶۴-۶۵

۱۰۸؎ یعنی مدد کے لیے اللہ اور رفاقت کے لیے یہی تھوڑے سے مسلمان کافی ہیں، لہٰذا منکرین حق کی کثرت اور اپنے ساتھیوں کی قلت کی فکر نہ کرو۔ یہ گویا وہی بات دوسرے اسلوب میں فرمائی ہے جو اوپر 'فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ، هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ' کے الفاظ میں ارشاد ہوئی ہے۔

۱۰۹؎ یہ اُس جہاد کے لیے ذمہ داری کی حد بیان کی ہے جس کا حکم پیچھے 'حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ' کے الفاظ میں دیا گیا ہے۔ یہاں اُسی کے لیے ابھارنے کی ہدایت فرمائی ہے۔ مسلمانوں کی جماعت چونکہ اُس وقت زیادہ تر مہاجرین و انصار کے سابقین اولین پر مشتمل تھی اور ایمان و اخلاق کے اعتبار سے اُس میں کسی نوعیت کا کوئی ضعف نہ تھا، اِس لیے وہ پابند کیے گئے کہ دس کے مقابلے میں ایک بھی ہوں تو اِس ذمہ داری کو پورا کریں۔ ایمان و اخلاق کی قوت کو یہاں 'فِقْه' سے تعبیر فرمایا ہے۔ استاذ امام امین احسن اصلاحی نے اِس کی وضاحت فرمائی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''...'فقہ' سے مراد بصیرت ایمانی ہے۔ یہی بصیرت انسان کا اصل جوہر ہے۔ اِس بصیرت کے ساتھ جب مومن میدان جنگ میں نکلتا ہے تو وہ اپنے تنہا وجود کے اندر ایک لشکر کی قوت محسوس کرتا ہے، اُس کو اپنے دہنے بائیں خدا کی نصرت نظر آتی ہے، موت اُس کو زندگی سے زیادہ عزیز و محبوب ہو جاتی ہے، اِس لیے کہ اُس کی بصیرت اُس کے سامنے اُس منزل کو روشن کر کے دکھا دیتی ہے جو اللہ کی راہ میں شہید ہونے والوں کے لیے مخصوص ہے۔ یہی بصیرت اُس کے اندر وہ صبر و ثبات پیدا کرتی ہے جو اُس کو تنہا اِس بصیرت سے محروم دس آدمیوں پر بھاری کر دیتی ہے۔''

(تدبر قرآن ۳/ ۵۰۶)

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ﴿٦٦﴾

اِس وقت، البتہ اللہ نے تمھارا بوجھ ہلکا کر دیا ہے، (اِس لیے کہ) اُس نے جان لیا کہ تم میں کچھ کمزوری ہے۔ سو تمھارے سو ثابت قدم ہوں گے تو دو سو پر غالب آئیں گے اور اگر ہزار ایسے ہوں گے تو اللہ کے حکم سے دو ہزار پر بھاری رہیں گے۔ اور اللہ اُن لوگوں کے ساتھ ہے جو (اُس کی راہ میں) ثابت قدم رہیں[۱۱۰]۔ ٦٦

۱۱۰؎ یعنی اصل حکم تو وہی ہے، لیکن اِس وقت بہت سے نئے لوگ اسلام میں داخل ہو چکے ہیں۔ اس کے نتیجے میں مسلمانوں کی تعداد اگرچہ بہت بڑھ گئی ہے، مگر دین کی بصیرت کے لحاظ سے وہ سابقین اولین کے ہم پایہ نہیں رہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ذمہ داری کا بوجھ ہلکا کر دیا ہے، اب اُن کے سو پابند ہوں گے کہ اللہ کے حکم پر دو سو کے مقابلے میں جنگ کریں۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

سورۂ انفال کی یہ آیتیں، اگر غور کیجیے تو جہاد و قتال کی ذمہ داری کے ساتھ اُس میں اللہ تعالیٰ کی نصرت کا ضابطہ بھی بالکل متعین کر دیتی ہیں۔ اِن میں یہ بات واضح کر دی گئی ہے کہ جنگ میں نصرت الٰہی کا معاملہ الل ٹپ نہیں ہے کہ جس طرح لوگوں کی خواہش ہو، اللہ کی مدد بھی اُسی طرح آجائے۔ اللہ تعالیٰ نے اِس کے لیے ایک ضابطہ مقرر کر رکھا ہے اور وہ اِسی کے مطابق اپنے بندوں کی مدد فرماتا ہے۔ آیات پر تدبر کیجیے تو معلوم ہوتا ہے کہ نصرت الٰہی کا یہ ضابطہ درج ذیل تین نکات پر مبنی ہے:

اول یہ کہ اللہ کی مدد کے لیے سب سے بنیادی چیز صبر و ثبات ہے۔ مسلمانوں کی کسی جماعت کو اِس کا استحقاق اُس وقت تک حاصل نہیں ہوتا، جب تک وہ یہ صفت اپنے اندر پیدا نہ کر لے۔ اِس سے محروم کوئی جماعت اگر میدان جہاد میں اترتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُسے کسی مدد کی توقع نہیں کرنی چاہیے۔ 'صٰبِرُوْنَ' اور 'صَابِرَةٌ' کی صفات سے اِن آیتوں میں یہی بات واضح کی گئی ہے۔ 'وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ' کے الفاظ بھی آیات کے آخر میں اِسی حقیقت پر دلالت کرتے ہیں۔

دوم یہ کہ جنگ میں اترنے کے لیے مادی قوت کا حصول ناگزیر ہے۔ اِس میں تو شبہ نہیں کہ جو کچھ ہوتا ہے، اللہ کے حکم سے ہوتا ہے اور آدمی کا اصل بھروسا اللہ پروردگار عالم ہی پر ہونا چاہیے، لیکن اِس کے ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے یہ دنیا عالم اسباب کے طور پر بنائی ہے۔ دنیا کی یہ اسکیم تقاضا کرتی ہے کہ نیکی اور خیر کے لیے بھی کوئی اقدام اگر پیش نظر ہے تو اُس کے لیے ضروری وسائل ہر حال میں فراہم کیے جائیں۔ یہ اسباب و وسائل کیا ہونے چاہییں؟ دشمن کی قوت سے اِن کی ایک نسبت اللہ تعالیٰ نے انفال کی اِن آیتوں میں قائم کر دی ہے۔ یہ اگر حاصل نہ ہو تو مسلمانوں کو اِس کے حصول کی کوشش کرنی چاہیے۔ جہاد کے شوق میں یا جذبات سے مغلوب ہو کر اِس سے پہلے اگر وہ کوئی اقدام کرتے ہیں تو اُس کی ذمہ داری اُنھی پر ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اِس صورت میں اُن کے لیے کسی مدد کا ہرگز کوئی وعدہ نہیں ہے۔

سوم یہ کہ مادی قوت کی کمی کو جو چیز پورا کرتی ہے، وہ ایمان کی قوت ہے۔ 'عَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا' اور 'بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ' میں یہی بات بیان ہوئی ہے۔ 'ضَعْف' کا لفظ عربی زبان میں صرف جسمانی اور مادی کمزوری کے لیے نہیں آتا، بلکہ ایمان و حوصلہ اور بصیرت و معرفت کی کمزوری کے لیے بھی آتا ہے۔ اِسی طرح 'لَا يَفْقَهُوْنَ' کے معنی بھی یہاں اِس کے مقابلے میں ایمانی بصیرت سے محرومی ہی کے ہیں۔ چنانچہ فرمایا ہے کہ منکرین حق چونکہ اِس بصیرت سے محروم ہیں اور اللہ تعالیٰ نے تمھیں اِس معرفت سے خوب خوب نوازا ہے، اِس لیے تم اگر ہزار کے مقابلے میں سو بھی ہو گے تو اللہ کی نصرت سے تمھیں اُن پر غلبہ حاصل ہو جائے گا۔ تاہم اِس بصیرت میں کمی ہوئی تو یہ نسبت بھی اِس کے ساتھ ہی تبدیل ہو جائے گی۔

نصرت الٰہی کا یہ ضابطہ قدسیوں کی اُس جماعت کے لیے بیان ہوا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں اور براہ راست اللہ کے حکم سے میدان جہاد میں اتری۔ بعد کے زمانوں میں، اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں کی ایمانی حالت کے پیش نظر یہ نسبت کس حد تک کم یا زیادہ ہو سکتی ہے۔

[باقی]

www.javedahmadghamidi.org www.al-mawrid.org